از خلافت تا امارت
امت مسلمہ کے لئے واجب القبول نظام

(۵)

جناب مولانا محمد عبد اللہ سلیم مدرس دار العلوم دیوبند

مسئلہ انتخاب اور شریعت میرا خیال یہ ہے کہ جو نقطۂ نظر میں نے پیش کرنا چاہا ہے اس کی ضروری حد تک وضاحت ہو گئی ہے، اب یہ مسئلہ کہ آخر خلافت راشدہ کے بعد کے لئے کیا صورت انتخاب شریعت نے تجویز کی ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ وہی صورتیں تجویز ہیں، جن کی تشریح حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فرمادی ہے۔ جس کو ہم گذشتہ سطور میں نقل کر چکے ہیں (در مختار) (۱) ارباب حل وعقد کی طرف سے کسی ایک نام کی تجویز و تعیین (رد المحتار للشامی ص۵۵۹ جلد ۱) (۲) خلیفۂ وقت کی طرف سے کسی کے حق میں وصیت (۳) کسی متعینہ کمیٹی یا ارکان شوریٰ کی طرف سے کسی کا انتخاب (۴) کسی اہل شخص کا از خود زمام حکومت سنبھالنا[۱] جس کا حاصل یہی ہے کہ انتخاب امیر کے معاملہ میں آزادی دی گئی ہے کسی ایک متعینہ صورت کا پابند نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ مقصود اصلی طریق انتخاب نہیں بلکہ منتخب

---

[۱] اور بعینہٖ یہی بات امام نووی شارح مسلم نے بڑی وضاحت سے فرمائی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ جامسلم

ان المسلمین اجمعوا علی ان الخلیفۃ اذا حضرتہ مقدمات الموت وقبل ذلک یجوز لہٗ الاستخلاف ویجوز لہ ترکہ فان ترکہ فقد اقتدی بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا والا فقد اقتدی بابی بکر واجمعوا علی انعقاد الخلافۃ بالاستخلاف وعلی انعقادھا بعقد اھل الحل والعقد لانسان اذا لم یستخلف الخلیفۃ واجمعوا علی جواز جعل الخلیفۃ الامر شوریٰ بین جماعۃ کما فعل عمرؓ بالسنۃ واجمعوا علی انہ یجب علی المسلمین نصب خلیفۃ ووجوبہ بالشرع لا بالعقل الخ (نووی حاشیہ مسلم شریف ص۱۲۰ جلد دوم)

اطاعت امیر | اور عوام کے لئے لازم ہے کہ وہ اس منتخب یا نامزد یا برسر اقتدار آنے والے امیر کی اطاعت کریں تاوقتیکہ وہ صراحتہً خلاف شرع امور کا حکم نہ کرے، یا کفر صریح کا مرتکب نہ ہو۔ ہاں، اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ اس منصب کے اہل نہ رہے گا۔ صریح کفر کے مرتکب کو بہر صورت علیحدہ کر دیا جائے گا۔ باقی فاسق شخص کو خلیفہ نہ بنایا جائے اور اگر بنا دیا گیا تو ہٹانے نہ ہٹانے میں فتنہ کو پیش نظر ضرور رکھنا چاہئے کیونکہ فتنہ سے بچنا اور بچانا نہایت اہم اور ضروری ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے والفتنۃ اشد من القتل (فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے) مسئلہ کی یہ نوعیت در مختار میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے

ویکرہ تقلید الفاسق ویعزل بہ الا لفتنۃ — کسی فاسق کو امارت سپرد کرنا مکروہ ہے، اور

ویجب ان یدعی لہ بالصلاح وتصح سلطنۃ متغلب للضرورۃ [1] — ایسے کو معزول کر دیا جائے گا بشرطیکہ فتنہ نہ ہو اور یہ واجب ہے کہ اس کو نیکی کی (مناسب طور پر) دعوت دی جائے اور از خود غالب آجانے والے کی حکومت بوجہ ضرورت کے صحیح ہے۔

وقال الشامی قال فی المعراج لان طاعۃ الامام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ [2] — اور علامہ شامی بحوالہ "معراج" کہتے ہیں کہ امام کی اطاعت معاصی کے علاوہ دیگر امور میں واجب ہے

بحمد اللہ کہ مندرجہ بالا سطور میں امارت و خلافت کی اہمیت و عظمت اور اس کے لئے اہلیت کی شرائط اور طریق انتخاب پر ضروری حد تک بحث ہوگئی ہے۔

دار الحرب اور اس کی تقسیم | اب سوال سامنے آتا ہے ان مسلمانوں کا جو ایسے ملک میں رہتے ہوں جس میں سیاست کلیتہً ان کے قبضہ و تصرف میں نہیں ہے۔ یعنی نہ وہ مسلم ملک کہلاتا ہے کہ جس پر آزاد خود مختار مسلمان حاکم ہو۔ اور اصل غیر مسلم حکومت کی طرف سے

---

(۱) در مختار باب الامامۃ۔ شروط الامامۃ الکبریٰ (۲) رد المحتار شامی ص ۵۵۹ جلد اول

ان کے علاقہ کو اندرونی خودمختاری کی حیثیت دیکر کوئی مسلمان حاکم مقرر کیا ہوا ہے، تو ایسا ملک ہے تو دارالحرب ہی ہے لیکن اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اگر مسلمانوں کو اپنے دینی و مذہبی اعمال کی ادائیگی کی قطعاً اجازت نہیں ہے نہ وہ مسجدیں بنا سکتے ہیں اور نہ آزادی کے ساتھ اذانیں دے سکتے ہیں نہ غیروں تک اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کا ان کو حق حاصل ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ مجبور ہیں۔ ذلیل و خوار ہیں۔ جان و مال بھی غیر محفوظ ہے تو وہ دارالشر والفساد ہے۔ اگر وسعت ہو تو وہاں سے ہجرت ضروری ہے اور جب تک وہاں قیام ہوگا مجبور و مضطر کے حکم میں ہوں گے، بوقت ضرورت غیر مسلموں سے لین دین کے وہ معاملات بھی کر سکتے ہیں جن کو عموماً شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے — ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں وہ امارت و خلافت کے سلسلہ میں کسی بات کے مخاطب اور اہل نہیں ہیں۔ ایسے ملک کی مثال ایسی ہے جیسے قبل ہجرت مکہ مکرمہ۔

(۲) اتنی سخت پابندیاں نہیں ہیں۔ اذان و صلوٰۃ اور روزہ حج کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ ان کی مسجدیں بھی ہیں اور مدارس بھی، لیکن احکام اسلام کا برملا اس ملک میں غلبہ و نفاذ نہیں ہے۔ تو ایسے ملک کا وہ حکم ہے جو فقہاء، دارالامن کا تجویز کرتے ہیں اور اسی کی مثال ایسی ہے جیسے دور نبوت میں حبشہ۔

دارالحرب کے مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل ایسے ملک کے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ حتی الوسع اپنے لئے اسلامی احکام کے نفاذ کا بندوبست کریں۔ جمعہ و عیدین، ہلال رمضان و عید، تزویج و نکاح، شرعی نظام زکوٰۃ، تقرر مدرسین و ائمہ و مؤذنین اور فصل خصومات وغیرہ کا نظام شرعی نہج پر قائم کیا جائے جس کی تین صورتیں ہیں —

(۱) حکومت وقت سے اپنے لئے باضابطہ ایک مسلمان حاکم اعلیٰ تجویز کرا لیا جائے جو نیچے سے کے تحت مندرجہ امور انجام دے گا البتہ چونکہ اس کو قوت قاہرہ حاصل ہوگی اس لئے

وہ حدود و تعزیرات شرعیہ بھی قائم کرے گا

(۲) اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر حکومت وقت سے اپنے لئے باقاعدہ کسی مسلمان قاضی (منصف) کا تقرر کرایا جائے جو ہر قسم کے نزاعات و خصومات کا بطریق شرعی فیصلے کرے اور بقیہ امور کی انجام دہی خود باہمی میل مشورے سے کرلیں، مگر یہ ضروری ہے کہ اس قاضی کے فیصلوں کی بعینہ وہی حیثیت اور نوعیت جو کسی بھی قانونی عدالت کے فیصلوں کی ہوتی ہے۔

(۳) اگر حکومت سے مطالبہ کے باوجود کسی مسلمان حاکم اعلیٰ مثل وزیر با اختیار کا یا قاضی کا بندوبست نہ ہو یا ہو لیکن اس کو بطریق شرعی فیصلے کرنے کا اختیار نہ ہو مسلمانوں کے لئے یہ ناگذیر ہے کہ باہمی اتفاق سے اپنا ایک امیر تجویز کرلیں جس کو درج ذیل امور انجام دینے ہوں گے۔

(الف) نظام قضا قائم کرے جس کے لئے حسب ضرورت قاضیوں اور قاضی القضاۃ کا تقرر کرے۔

(ب) چاند کے ہونے نہ ہونے کے سلسلہ میں حسب قواعد شرعیہ فیصلے کرکے اعلان کرائے۔

(ج) مساجد و مدارس کا ایسا انتظام اور ان کی ایسی تنظیم کرے کہ ان کے اصل مقاصد و فوائد بخوبی پورے ہوتے رہیں۔

(د) زکوۃ و صدقات کی وصولیابی اور صرف کا باقاعدہ شرعی نظام قائم کرے جس میں مساکین اور یتامیٰ اور بیواؤں کی پرورش ان کی تعلیم و تربیت روزگار اور نکاح کا بندوبست بھی ہو۔

---

۵ گذشتہ سال مہاراشٹر کے جناب پی عبداللہ صاحب نے اس کے لئے ایک تحریک کا آغاز کیا تھا مگر غالباً بھرپور تعاون نہیں مل سکا اگر ایسا ہی ہے تو یہ افسوس ناک بات ہے۔

(۴) عوام کی اصلاح و تذکیہ کے لئے واعظین اور تبلیغ اسلام کے لئے مبلغین کا انتظام کرے۔

(۵) ہر بستی اور ہر ضلع میں اس کے طول و عرض کے مطابق با اثر افراد کی ایسی کمیٹیاں قائم کرے جو اس کے شرعی فیصلوں کے نفاذ اور دینی اقدامات کی تکمیل و کامیابی میں بھرپور تعاون کرتے رہیں۔

(۶) جمعہ و عیدین کے قیام اور اوقات سحر و افطار کے اطلاع عام کا بندوبست کرے

اور ایسے امیر کے تقرر کے لئے الیکشن طرز کے کسی ہلچل کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ پورے ملک کے چند مشہور و با اثر مسلمان جو مختلف مکاتب فکر کی ترجمانی کرتے ہوں وہ باہمی مشورے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرلیں جس میں نسبتاً زیادہ شرائط امارت و امامت پائی جاتی ہوں۔ پھر وہ تمام مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔

ماخذ فقہیہ | ہم نے ان تجاویز کا خاکہ فقہ کی عبارتوں کی بنیاد پر پیش کیا ہے ان کو ایک ہی کتاب سے پیش کئے دیتے ہیں۔ درمختار کی عبارت یہ ہے۔

ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم ولو فقد وال لغلبۃ کفار یجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعۃ اھ

اور جائز ہے کسی کا قاضی بنایا جانا سلطان عادل یا جائر کی طرف سے اگرچہ وہ سلطان غیر مسلم ہو مسکین وغیرہ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ مگر جبکہ اس سلطان کی طرف سے اس قاضی کو اس بات کی ممانعت ہو کہ وہ (شریعت) حق کے مطابق فیصلہ کرے تو پھر یہ قاضی بنایا جانا حرام ہے اور اگر مسلمان حاکم غلبۂ غیر مسلمین کی وجہ سے مفقود ہو تو مسلمانوں کو کسی والی اور امام جمعہ کا مقرر کر دینا واجب ہے

درمختار کی مذکورہ عبارت کے ذیل میں جو علامہ ابن عابدین شامی نے حاشیہ تحریر فرمایا ہے

وہ چونکہ طویل ہے۔ اس لئے حسب ضرورت اس کے بعض حصے نقل کئے جاتے ہیں ۔ اور اہل علم کے لئے چونکہ قابل توجہ اصل عبارتیں ہوا کرتی ہیں اس لئے اس مضمون کے دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی عربی عبارتوں کو ہی نقل کیا جاتا ہے ۔ ہاں عوام کی سہولت کے لئے ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے

وکل مصر فیہ وال من جہتہم تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیہ واما طاعۃ الکفر فذالک مخادعۃ واما بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلما منہم (الی قولہ) واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ہو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبۃ الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ہو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا اماما یصلی بہم الجمعۃ

اور ہر وہ شہر (یا علاقہ) جس میں غیر مسلموں کی طرف سے کوئی (مسلم) حاکم مقرر ہو تو اس میں جمعہ اور عیدین کا قیام اور خراج (وغیرہ) کی وصولیابی اور تقرر قضاۃ نیز بیواؤں کا نکاح کرانا جائز ہے (یہ حکم) مسلمان کے اس علاقہ پر با اقتدار ہونے کی وجہ سے ہے باقی غیر مسلم حکومت کی جو تابعداری ہے وہ محض ایک ظاہری سطح ہے ۔ اور وہ علاقے کہ جن پر غیر مسلم حکمراں ہوں ۔ وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ و عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہو جاتا ہے لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ غیر مسلم حکمرانوں سے ایک مسلمان حاکم با اختیار کا مطالبہ کریں ۔ اور جب مسلمان بادشاہ نہ ہو اور نہ وہ جو قاضی کو مقرر کرسکے جیسا کہ ان مسلم علاقوں میں ہے جن پر غیر مسلموں کا غلبہ ہے جیسے اس زمانہ میں قرطبہ کی حالت ہے ، تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کسی ایک داہل شخص پر اتفاق کر لیں اور اس کو اپنا امیر بنالیں اور پھر وہ امیر قاضی کو مقرر

کرے گا جو مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کریگا اور اسی طرح امام مقرر کرلیں جو انھیں نماز جمعہ پڑھائے اسی بات پر نفس کو اطمینان ہے۔ لہٰذا اسی پر اعتماد کرلینا چاہیئے۔

وهذا هو الذی تطمئن النفس الیه فلیعتمد (الی قوله) ثم ان الظاهر ان البلاد التی لیست تحت حکم سلطان بل لهم امیر منهم مستقل بالحکم علیهم بالتغلب او باتفاقهم علیه یکون ذلك الامیر فی حکم السلطان فیصح منه تولیة القاضی علیهم اھ[1]

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ جو علاقے (داخلی اور خارجی تمام امور میں) کسی بادشاہ کے زیر حکومت نہ ہوں بلکہ اس غیر مسلم حکومت کی طرف سے ایک بااختیار و بااقتدار مسلمان امیر مقرر ہو یا مسلمان ایسے امیر پر متفق ہو گئے ہوں تو یہ امیر بادشاہ کے حکم میں ہوگا۔ لہٰذا اس کی طرف سے کسی کو قاضی مقرر کیا جانا درست ہوگا۔

بڑے ملک میں متعدد امرار — ایسا حاکم پورے ملک میں ایک ہی ہونا چاہیئے لیکن اگر ملک بڑا ہو ایک ہی امیر کنٹرول نہیں کرسکتا تو میرا خیال یہ ہے کہ مختلف بڑے بڑے علاقوں کے لئے اندرون ملک حسب ضرورت ایک سے زائد امیر بنائے جاسکتے ہیں۔

ہندوستان اور مسئلہ امارت — ہمارے ملک میں جب اس مسئلہ پر سوچا جاتا ہے تو تین باتوں میں سے ایک بات سے بصورت اعتراض یا اشکال واسطہ پڑتا ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان سے بھی نمٹ لیا جائے

امارت کے لئے قوت قاہرہ ایک مغالطہ اور اس کا دفعیہ — (۱) بعض حضرات علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ فقہ کا نہیں بلکہ علم

---

[1] درالمختار الشامی صفحہ ۳۰۸ جلد ۴

کلام کا ہے اور وہیں سے فقہاء نے بھی لیا ہے اور متکلمین نے کسی والی کی ولایت کے تحقق کے لئے قوت قاہرہ کی موجودگی کو شرط قرار دیا ہے۔ اس کے بغیر کسی امیر کی امارت اور والی کی ولایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے مسلمان از خود اگر کسی کو اپنا والی اور امیر تجویز کر لیں تو وہ چونکہ قوت قاہرہ سے محروم ہوگا۔ اس لئے اس تجویز کی کوئی حیثیت اور شرعی پوزیشن نہ ہوگی، اگرچہ کتب فقہ میں اس امیر کی امارت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ان حضرات کے علم فضل کے مقابلہ میں میری جہالت کی جو حالت ہے اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ لیکن جو تھوڑی سی لا العلما نہ شدبد ہے اس کی بنا پر یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ متکلمین قوت قاہرہ کی قید لگاتے ہیں۔ لیکن اس بات کو ذہن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ یہ مسئلہ فقہ کا نہیں صرف علم کلام کا ہے۔ لہٰذا کتب فقہ سے نہیں بلکہ کتب کلامیہ سے یہ مسئلہ لیا جائے گا۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قضا کی ساری بحثوں حدود و تعزیرات کے تمام مسائل اور سیر و جہاد کے تمام الواب کا تعلق تو فقہ سے ہو اور انتخاب امیر کا مسئلہ علم کلام سے متعلق فقہاء کی بات کا اس میں قطعاً اعتبار نہ کیا جائے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ علم کلام کے موضوع سے اس مسئلہ کا کیا خاص تعلق ہے اور علم فقہ کے موضوع سے اس کی کیا مغائرت ہے؟

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ فقہاء نے متکلمین کے یہاں سے یہ مسئلہ لیا ہے تو بھی میں کہتا ہوں کہ اب یہ مسئلہ فقہیہ ہو گیا اور حالاتِ زمانہ کی رعایت سے اگر انھوں نے اس اصل مسئلہ میں کچھ تغیر کر دیا ہے تو وہ واجب القبول ہے۔

اور اس کی نظیر یہ ہے کہ بسملہ کا جزو سورت ہونا یا نہ ہونا اس مسئلہ کا اصل تعلق علم قرارت سے ہے اور ساری دنیا میں اس وقت جو روایت حفص پڑھی جاتی ہے اس میں بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے، اگر کسی سورت کے شروع میں بسملہ کو نہ پڑھا تو وہ سورت ناتمام رہیگی۔ اور یہ بھی آداب قرارت میں ہے کہ قرارت جہریہ میں اعوذ بالله

بسم اللہ کو جہراً اور قرارت سریہ میں سراً پڑھنا چاہئے۔ لیکن احناف نے نمازوں میں سورہ فاتحہ سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو سراً پڑھنے کی ہدایت کی ہے اور سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ کے بارے میں فقہاء حنیفہ نے یہ لکھا ہے کہ سنت سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

اور فقہاء کی اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر عمل بھی کیا جاتا ہے کوئی یہ نہیں کہتا کہ چونکہ یہ مسئلہ قرارت کا ہے اس لئے فقہاء کی تبدیل کردہ بات کو قبول نہیں کیا جائیگا۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی ہمیں ماننا چاہئے۔ کہ جب فقہاء قوت قاہرہ کی قید نہیں لگاتے اور مسلمانوں کو از خود کسی کو امیر اور والی تجویز کر لینے کی ہدایت کرتے ہیں تو ہمیں مان لینا چاہئے۔ کیا ہم ان فقہاء مرحومین سے زیادہ بابصیرت ہیں۔؟ [1]

قوت قاہرہ کا حصول اگر بس میں نہیں ہے تو کم از کم اس تنظیم کو تو وجود بخشیں جس کے طفیل ہمارے معاشرہ میں بہت سے اسلامی احکام پر بحسن و خوبی عمل کیا جا سکے۔ آج اسی تنظیم کے فقدان کی وجہ سے تو عام مسلمانوں میں ایسی بے راہ روی ہے کہ جس سے مسلم پرسنل لا ہی پر کیچڑ اچھالنے کی لوگوں کو جرارت ہو گئی ہے۔ کاش اس مسئلہ پر اہل علم و دیانت احساس مسئولیت کے ساتھ متوجہ ہوں۔ خالی نماز روزے کی لوگوں کو تلقین کر دینا ہی تو ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

قانون اسلامی پر جمود کا طعن

(۲) جدید طبقہ کے بعض افراد کے ذہنوں میں ایک یہ رجحان جگہ پکڑے ہوئے ہے کہ چونکہ اسلامی قانون ۱۴ سو سال قبل وجود پذیر ہونے والے صرف قرآن کے دائرے میں محدود ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ وہ جامد ہے نئے دور کے بدلتے ہوئے

---

(۱) اس موضوع پر مولانا عبد الصمد رحمانی مرحوم کی کتاب "ہندوستان اور مسئلہ امارت" قابل مطالعہ کتاب ہے جس میں قرآن و حدیث اور فقہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ قوت قاہرہ کی امارت کیلئے قطعاً کوئی شرط نہیں ہے [illegible]

قاضیوں کا ایسا جامد قانون اور ٹھوس دستور کیسے ساتھ دے سکتا ہے۔ جو احوال و ظروف کل نہیں تھے اور آج ہیں تو آخر کل والا قانون آج کے احوال و ظروف کے لئے کیسے کارآمد اور سہولت بخش ہو سکتا ہے، اس دور میں تو وہی قوانین کارگر ہیں جو موجودہ مصالح و ضروریات کے پیش نظر مرتب کئے گئے ہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک اس طرح کی باتیں کہنے والوں کی حالت بہت زیادہ افسوسناک ہے۔ کیونکہ وہ قانون اسلامی کی حقیقت اور اس کی حدود اربعہ سے واقف نہیں ہیں ورنہ وہ ہرگز ایسا نہ کہتے۔

اسلامی قانون کا تعارف

بلاشبہ قانون اسلامی کی اصل بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی ہے لیکن اسی کے ساتھ چوتھے[1] ماخذ کے طور پر اجتہاد کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے، اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جو ایسے مسائل پیش آئیں کہ جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہو، تو ایسے مسائل سے پہلوتہی نہ کرتے ہوئے ان کو قانون اسلامی کے تحت لانے کی کوشش کی جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ عام احکام شرعیہ کے اشارات و کنایات سے ایسے مسائل میں مخصوص ضوابط کے تحت رہنمائی حاصل کیجائے

ظاہر ہے کہ اجتہاد نے اسلامی قانون کے دائرے کو حد درجہ وسیع و عریض بنا دیا۔ چنانچہ فقہ کا ذخیرہ اسی بات کا شاہد ہے کہ مسلم معاشرہ اور اسلامی حکومتوں کو جن نت نئے مسائل سے واسطہ پڑا ہے تو ماہرین شریعت نے کتاب و سنت اور اجماع صحابہ سے ثابت شدہ احکام کی روشنی میں ان پیش آمدہ مسائل کا مفید اور قابل اعتبار حل پیش کر دیا۔

اسلامی قانون کا دائرہ حرکت و ثبات

ایسی صورت میں بھی شریعت اسلامی اور قانون شرعی کو جامد کہنا یا ناواقفیت پر مبنی ہے یا کسی اور غرض فاسد پر۔ اسلامی قانون تو متحرک ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ اس میں ایسی آزاد حرکت نہیں ہے۔ جیسے انسانوں کے خود

---

(۱) تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ یعنی ماہرین شریعت کا کسی اجتہادی مسئلہ پر اتفاق، خواہ یہ اجماع صحابہ کا ہو۔ یا بعد کے کسی زمانہ کا

وضع کردہ قوانین میں ہے اور اصل اسی آزاد حرکت کی بخشی ہوئی آزادی کی وجہ سے اسلامی قانون کا دائرہ تنگ نظر آتا ہے۔

اسلامی قانون اور وضعی قوانین کے مابین جو مذکورہ فرق ہے اس کی وضاحت بہت اچھے انداز میں محترم مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے معروف شگفتہ قلم کے ذریعے اس طرح کی ہے۔

:: وضعی قوانین کی حرکت کسی ضابطہ اور اصول کی پابند نہیں ہے۔ ان کی حرکت کسی متعین شاہراہ پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نوعیت کچھ آوارہ گردی کی سی ہے وہ سوسائٹی کی اقدار کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ برابر اپنا چولا بدلتے رہتے ہیں، اس کے سبب سے بسا اوقات وہ اس قدر تبدیل ہو جاتے ہیں ان کے ماضی اور حاضر میں سرے سے کوئی ربط باقی رہ ہی نہیں جاتا کل تک جو باتیں ان کے اندر نہایت مکروہ اور گھنونے جرائم میں شمار ہوتی تھیں اور ان ہی قوانین کے بموجب ان جرائم کے مرتکبین کو سزائیں دی جاتی تھیں آج وہ جرائم انہی قوانین کی رو سے بالکل جائز اور مباح بن گئے ہیں۔ چنانچہ یورپ، امریکہ اور روس میں زنا، لواطت، اسقاط حمل، اور حرامی اولاد سے متعلق سوسائٹی کے نظریات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ قانون بھی تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہا ہے۔ قانون کے متعلق نظریہ تو یہ ہے کہ وہ سوسائٹی اور اس کے اقدار کا محافظ ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک وضعی قوانین کا تعلق ہے ان کی نسبت بے تکلف یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی مادر پدر آزاد حرکت کی وجہ سے سوسائٹی کی باندی بن کر رہ گئے ہیں۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کی حرکت ایک خاص نظام اور ایک خاص اصول کی پابند ہے یہ حرکت تو کرتا ہے۔ لیکن اپنے بنیادی اقدار کے ساتھ بندھا ہوا حرکت کرتا ہے اس کی حرکت کی شاہراہ متعین اور اس کے چاروں گوشے معلوم ہیں، اس کے لئے ہرزہ گردی اور اپنے ماضی سے بالکل کٹ جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ زندگی کے تغیرات اور اس کی

حرکت کے تقاضے اگر اس کو آگے بڑھنے کے لئے اکساتے اور ابھارتے ہیں اور ان تقاضوں کی تکمیل کے لئے آگے بڑھتا ہے تو ساتھ ہی اس قانون کے اندر ثبات واستحکام کے بھی کچھ تقاضے موجود ہیں جو اس کو ایک خاص حد سے آگے نکل جانے سے روکے رکھتے ہیں۔ اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے وہ ایک ہی وقت میں جامد بھی ہے اور متحرک بھی" [1]

قانون اسلامی پر اعتراض کی اصل حقیقت

مولانا نے زنا، لواطت اور اسقاط حمل کے سلسلہ میں۔ امریکہ، برطانیہ اور روس کے جدید سماجی نظریات اور ان کے مطابق تجویز کردہ قوانین کا بڑا اچھا حوالہ دیا ہے، اور اسی سے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے مطالبہ کی گتھی بھی سلجھ جاتی ہے، کہ موجودہ بگڑے ہوئے سماج کی بے روک ٹوک خواہشات کی پاسداری اسلامک لا، میں بھی ہونی چاہئے۔ مگر چونکہ شریعت عزّا اس پیوند کے ہم رنگ ہونے کے لئے تیار نہیں ہے اس لئے جمود اور اقدامت کا الزام اس کے سر آتا ہے۔

یہ کیا ظلم ہے کہ خداوندی قانون کو مورد طعن بنانے اور اس کے بخیئے ادھیڑنے کے لئے تیار، لیکن معاشرہ اور اپنی خواہشات کے لئے بگاڑ کا لفظ سننے کے لئے آمادہ نہیں۔

شوہر کو حق طلاق دئے جانے کی وجہ

اب دیکھئے بغیر رضامندی عورت کے طلاق کے واقع نہ کئے جانے یا شوہر کی طرح بیوی کو بھی طلاق کا حق واختیار دئے جانے کے مطالبہ کی نوعیت کیا یہی نہیں ہے جو ابھی ذکر کی گئی۔ حالانکہ علاوہ اس کے کہ قرآن حکیم نے نکاح وطلاق رو کنے یا جدا کرنے کی نسبت شوہر ہی کی طرف کی ہے نہ عورت کی طرف اور نہ دونوں کی طرف [2] عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بوقت نکاح جب ایجاب (یعنی پیشکش) عورت کی طرف سے ہوئی اور قبول مرد کی طرف سے نیز جب بعوض مہر شوہر عورت کی

---

(۱) اسلامی قانون کی تدوین ص۴۷-۴۸ از مولانا امین احسن اصلاحی۔ مطبوعہ المنبر لائلپور ۱۹۶۳ء۔

(۲) اس کے لئے یہ آیات بطور مثال پیش ہیں۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء فاذا طلقتم النساء فطلقوھن۔ فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف اھ

ملک بضعہ کا مالک ہوگیا تو اب واپس کرنے اور لوٹانے کا اختیار جس کو فسخ نکاح یا طلاق کہا جاتا ہے قبول کرنے والے شوہر کو ہونا چاہیئے یا عورت کو۔ عورت کے پاس رہ ہی کیا جاتا ہے جس کو وہ واپس کرے گی [۱]

اسلامی تعزیرات و حدود

آج اسلامی تعزیرات وحدود کو ناقابل برداشت سزائیں قرار دیکر صفحۂ وجود سے مٹا رکھا ہے، اور ان قانون میں بھی ان کو جگہ پانے کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں انسانی حقوق کے تحفظ کا سہارا لے کر جرائم کی خود ساختہ سزائیں تجویز کر رکھی ہیں۔

ان میں جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں ان سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب تمہارا ایمان ہے کہ دین اسلام خدا کا پسندیدہ دین ہے اور قرآن وحدیث میں جو احکام وہدایات ہیں وہ خدا ہی کی طرف سے نازل کردہ ہیں، جن کی تعمیل کے لئے وہی انسان مخاطب ومکلف ہیں جو اسی کی پیدا کردہ مخلوق ہیں۔ تو کیا اس کو اپنی اس مخلوق سے ایسی ہمدردی اور محبت بھی نہیں ہے جیسی کے لئے خود تم اپنے ابناء جنس کے واسطے دعویدار ہو۔ یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ خدا ہی نے انسانوں کو پیدا کیا اور اسی نے احکام وہدایات کا نزول فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان احکام وہدایات کے لئے ہیں اور احکام وہدایات ان انسانوں کے لئے۔ اور پھر بھی ان میں کل یا بعض احکام ایسے ہوں جو ان انسانوں کے لئے ناقابل عمل یا ناقابل تحمل ہوں ؟

موجودہ قانون تعزیرات کا نتیجہ

آج جرائم کے لئے جو سزائیں متمدن قوانین میں تجویز ہیں کیا ان سے جرائم میں تخفیف ہو رہی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس مشاہدہ یہ ہے کہ ان سزاؤں کے دوران مجرمین مزید پختہ کار اور حوصلہ مند ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) مستفاد از کتاب "نکاح وطلاق" مؤلفہ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ

اس کے برعکس اسلام نے یہ باور کیا ہے کہ مجرم جسم انسانیت کا ایک خراب عضو ہے۔ اگر معمولی تدبیر سے اس میں سدھار آسکتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ جسم کے بقیہ حصوں کو اس کی سمیت سے محفوظ رکھنے کے لئے اگر اس کو کاٹنا بھی پڑے تو ہرگز اس میں تامل نہ کیا جائے ورنہ اگر اس خراب حصے پر ترس کھا کر چھوڑ دیا گیا تو انجام کار پورے جسم کی بربادی تک نوبت پہونچے گی۔

اسلام کے عہد اول کی بات تو جانے دیجئے۔ آج بھی اگر تعزیرات اسلامی کا کرشمہ دیکھنا ہو تو حجاز مقدس میں دیکھ لیا جائے کہ جس حد تک وہاں ان کو اپنایا ہوا ہے اسی کا یہ ثمرہ ہے کہ وہاں جرائم کا تناسب ساری دنیا سے حد درجہ گھٹا ہوا بلکہ شاید ایک فیصد ہی ہو۔

بہر حال اسلامی قانون پر جمود اور تنگی کا الزام بالکل غلط اور بہتان محض ہے۔ ہاں اگر اس کو عملاً نافذ کرنے کا تہیہ کیا گیا تو موجودہ معاشرہ میں رچی بسی بہت سی چیزوں کو خیرباد کہنا پڑیگا، اور دراصل یہی بات کھٹک کی ہے۔

مگر ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اگر آپ کو اپنے اور اپنے سماج کے انجام سے کوئی ہمدردی ہے تو تجدد و قدامت کے احساس سے اپنے ذہن کو فارغ کرکے اور صرف اچھائی برائی اور خیر و شر اور اس کے طبعی نتائج و ثمرات کو پیش نظر رکھکر نیز ماضی کی اپنی قومی دملی تاریخ اور بھر بگڑے ہوئے سابقہ معاشرہ کی دینی احکام کے ذریعہ انقلابی اصلاح کا بابصیرت مطالعہ کرکے دنیوی و اخروی فلاح و بہبود کی خاطر قانون اسلامی کو اپنی انفرادی و اجتماعی و ملکی و ملی زندگی میں جگہ دی تو پھر انشاء اللہ یہ بات نکھر کر سامنے آجائے گی کہ اسلامی قانون کی اثر انگیزی میں آج بھی وہی تر و تازگی ہے جو دور اول میں تھی۔ اور آج بھی شخصی اور قومی تمام امراض کا تشفی بخش علاج صرف وہی ہے۔

لیکن اگر خواہشات نفس کے غلبہ سے نجات پانے کے لئے تیار نہیں تو آپ کو اپنی زندگی

مبارک ۔ مگر خدا کے لئے بے وجہ اسلام کو متہم کرنے کا وبال اپنے سر نہ لیجئے ۔ کہ اس سے ایک طرف جرم المضاعف ہوجاتا ہے ۔ اور دوسری طرف اسلام کی بدنامی کا سامان ہوتا ہے اگرچہ اسلام کسی کی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں ہے اس کا حال تو یہ ہے ۔

واذا اتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادۃ لی بانی کامل (۱)

باقی کومن سول کوڈ کی بات کرنے والوں یا ان کے سُر میں سُر ملانے والوں سے اس کے سوا ہم اور کچھ نہیں کہتے کہ

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون (آل عمران)

کیا پھر دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقے کو چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ کے سامنے سب سرافگندہ ہیں جتنے آسمان اور زمین میں ہیں خوشی سے اور بے اختیاری سے اور سب خدا تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔

افغیر اللہ ابتغی حکماً وھو الذی انزل الیکم الکتب مفصّلاً (انعام)

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں ۔ حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیجدی ہے ۔

اسلامی نظام پر فرقہ واریت کا اعتراض

(۳) تیسری بات جو ہندوستان کے اندر اسلامی نظام حیات کی راہ میں حائل بنکر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں تمام فرقوں اور مذہبی اور غیر مذہبی اکائیوں کے مساوی حقوق ہیں اس لئے سب کو مل جلکر رہنا ہے ۔ اسی غرض سے ایسا قانون ملک میں نافذ ہے جس میں مسلمان غیر مسلمان کی تمیز نہیں ہے سب کی مشترکہ سہولت اس کے مد نظر ہے ، ایسی صورت میں مسلمان اگر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ

---

(۱) اگر تم تک کسی ایسے آدمی کی طرف سے میری برائی پہونچے جس میں خود نقص ہو تو سمجھ لو کہ یہی بات میرے لئے اس شہادت کے واسطے کافی ہے کہ میں باکمال ہوں ۔

بناتے ہیں، اور اپنے مذہب کی بنیاد پر اپنا جداگانہ نظامِ حیات بناتے ہیں تو یہ جمہوریت کے ان مقدس اصولوں کو پامال کر دینے کے مترادف ہے جس کی اساس پر اس آزاد بھارت کی حکومت بنائی گئی تھی۔

اعتراض کا مدلل جواب اس بات کے جواب میں سیدھی بات یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں اس غلط فہمی کو دور کر لینا چاہیئے کہ وہ صرف وضو نماز اور روزہ و حج کا نام ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل دستورِ حیات ہے جس طرح نماز روزہ اور حج وغیرہ اس کے حصے ہیں اسی طرح زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ و نافلہ مثل صدقۃ الفطر، عشر و خیرات وغیرہ نیز تجارت و اجارہ (کرایہ داری اور مزدوری) ترکہ و میراث، اہلِ محلہ و بستی کے حقوق، نکاح و طلاق، اور باہمی کسی نزاع کی صورت میں تصفیہ اور اس کے ذیل میں شہادت، اور پھر جرائم پر حدود و تعزیرات یہ سب بھی اسی اسلام کے ابواب ہیں اور جس طرح ایک مسلمان نماز روزہ وغیرہ عبادات کا مکلف ہے اسی طرح شرعی ہدایات کے مطابق معاشرتی روابط، آپسی حقوق اور معاملاتی امور کی انجام دہی کا پابند ہے ان میں سے کسی بھی حکمِ شرعی کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ بلکہ حقوق اللہ کے مقابلہ میں بندوں کے حقوق کی شریعت میں زیادہ تاکید آئی ہے۔

اس صورت میں جب مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان کے اس ملک میں رہنے اور فرائض و واجباتِ مذہبی ادا کرنے کا آزادانہ حق حاصل ہے اور اسی لئے وہ نماز روزہ کی ادائے گی کرتا ہے اپنی پسند کے مطابق اپنی وضع و ہیئت اختیار کرتا ہے، اسلامی نام رکھتا ہے اور ان باتوں کو فرقہ پرستی کی علامت اور جمہوریت و سکولرزم کے منافی نہیں قرار دیا جاتا۔ (۱) اور

---

(۱) ہاں جس کو ان باتوں پر بھی اعتراض ہے اور ان کو بھی فرقہ پرستی قرار دیتا ہے۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ البتہ اس کو چاہیئے کہ وہ یہ ملک چھوڑ کر باہر چلا جائے اس لئے کہ وہ ہندوستانی دستور کو نہیں مانتا۔ بالکل اسی طرح جیسے تاج محل اور دیگر مسلم آثار کے بارے میں غلط اور بے سروپا بکواس کر کے تاریخ ہند کو بگاڑنے کے ناقابلِ [illegible]

...ںاروں و گوردواروں اور گرجا گھروں کے پہلو بہ پہلو مسجدوں کے میناروں اور گنبدوں سے نہ جمہوری قانوں کا جسم مجروح ہوتا ہے اور نہ سیکولر دستور کی روح مضمحل ہوتی ہے ...ذ آخر عشر و زکوٰۃ کی وصول یابی اور ان کے مصرف کے جداگانہ پروگرام اور فصل خصومات کے لئے علیحدہ شرعی نظام کے قیام سے کس طرح جمہوری اصولوں کے ساتھ تصادم ہوتا ہے اگر وہ فرقہ پرستی نہیں ہے تو یہ کیسے فرقہ پرستی ہے ؟

...سلامی نظام اور ہندوستانی دستور

منہاج شریعت پر انفرادی و اجتماعی زندگی گذارنے کا کوئی نظم نہ برطانوی حکومت میں خلاف قانون تھا۔ اور نہ آزاد بھارت سرکار کے نزدیک کوئی جرم ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں انجمن خدام الدین کے اجلاس لاہور کے اندر حضرت علامۃ العصر مولانا سید انور شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے غیر منقسم ہندوستان کے مشہور احراری لیڈر اور بے مثال خطیب حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت بنایا تھا۔ اور سب لوگوں نے اس فیصلہ کی تعمیل میں بیعت کی تھی۔ اس سے کچھ قبل بہار میں حضرت مولانا سجاد بہاری امارت شرعیہ قائم کر چکے تھے دونوں جگہ کی امارتیں اپنی

ہندوستان میں امارت شرعیہ

مقررہ شرعی حدود میں مدارس و مساجد کی تنظیم اور قضاء اسلامی کا کام چلا رہی تھیں، لیکن دو سال کے بعد احراری لیڈروں کی گرفتاری سے پنجاب کی امارت شرعیہ تو ختم ہو گئی تھی۔ لیکن بہار کی امارت شرعیہ بحمد اللہ آج تک قائم ہے، اور موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کے دور میں اس کا دائرہ بہار سے آگے اڑیسہ اور آسام تک وسیع ہو گیا۔ اور یہ امارت بیواؤں اور یتیموں کے لئے فلاحی کاموں اور تعلیم و تربیت کے جو سب سے زیادہ نمایاں کام کر رہی ہے وہ مختلف شہروں اور علاقوں میں ایک مربوط تنظیم کے تحت قضاء اسلامی کا انتظام و انصرام ہے۔ جن میں نکاح و طلاق۔ لین دین۔ اور حقوق

ومعاملات کے علاوہ فوجداری تک کے مقدمات کے فیصلے کئے جاتے ہیں ۔ اور بڑ
کی بات ہے کہ سرکاری عدالتیں امارت شرعیہ کے ان فیصلوں کا اعتبار و احترام کرتی ہیں

امارت شرعیہ کے ذریعہ مقاصد حکومت کی تکمیل

اور کیوں نہ ہو حکومت نے جن مقاصد کے تحت عدالتیں ق
ہیں کہ حق دار کو اس کا حق پہونچ جائے اور ہر شخص
و مال اور آبرو محفوظ رہے ۔ امارت شرعیہ ان مقاصد حسنہ کی تکمیل میں حکوم
ساتھ تعاون اور عدالتوں کا بوجھ ہلکا ہی تو کر رہی ہے ۔ ہاں اگر عدالتوں
میں یہ بات بھی داخل ہے کہ زیادہ سے زیادہ بے قاعدگی ہو اور زیادہ سے
مقدمات ان کے پاس آئیں اور ان کو بجائے انصاف کے نفع اندوزی کے ادا
دے لیا جائے تو بے شک کسی آزاد عدالت کا قیام ان کے کاروبار میں تخفیف کا
ہوگا ۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے ۔

اس لئے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سماج اصلاح کی غرض سے قائم شدہ ادا
تنظیمیں یہ جد و جہد کریں کہ لوگ امن عافیت کے ساتھ بود و باش رکھیں نز
کی نوبت نہ آنے پائے ۔ اگر کہیں بد امنی کی کوئی چنگاری چمکے تو فوراً اس کو قبل ا
خرمن عافیت کو خاکستر کرے ۔ وہیں نیست و نابود کر دیا جائے ۔ اور کسی
مدعا علیہ بننے کی نوبت نہ آئے تو ظاہر ہے کہ عدالتوں کے حق میں بھی یہ سعی مشکو
کہ ان کے حق میں اس طرح کی کوششوں کو نقصان رساں قرار دیا جائے

نیز یہ ایسا ہی ہے جیسے خود حکومت نے دیہاتوں اور چھوٹی بستیوں میں
قائم کر رکھا ہے اور ان کو اپنی عدالتوں کے لئے ممد و معاون ہی سمجھا ہے ،
ان کے بار کو ہی ہلکا کرتی ہیں ۔

اسی طرح امارت شرعیہ اور ان کے تحت قائم شدہ نظام قضا کو سم
اور مذکورہ مثالوں کی روشنی میں یہ باور کر لینا چاہئے کہ مقصود امر

۔ان کے حصول کا طریق کار ۔

امید ہے کہ ہندوستان کے ہر حصے میں قیام امارت کی راہ میں یہی تین چیزیں اوٹ بن سکتی ہیں اس لئے مختصر طور پر ان تینوں کی تنقیح کردی گئی ہے ۔ لہذا ارباب ِ فکر سے گذارش ہے کہ وہ بہار، اڑیسہ ۔ اور آسام کی طرح بقیہ صوبوں اور استوں میں بھی امارت شرعیہ قائم کرنے اور پھر ان کو پورے طور پر فعال بنانے کی رپور جد وجہد فرمائیں اور اسی راہ میں بے بنیاد اوہام کو ذہنوں میں جگہ نہ دیں خود فرقہ پرستی میں مبتلا ہیں ۔ ان کی کسی الزام تراشی سے خائف نہ ہوں ۔ ان نقطۂ نظر کی کہاں تک پاسداری ہو سکتی ہے ۔ بقول قرآن حکیم ۔

ن ترضیٰ عنک الیہود ولا النصاریٰ تی تتبع ملتھم — اور ہرگز تجھ سے راضی نہ ہوں گے یہود نصاریٰ یہاں تک کہ تو ان کی ملت کا پیروی کرے

یہ لوگ تو آپ کے مسلمان ہونے سے ہی راضی نہیں ہیں ۔ لیکن یقین کیا جائے کہ ں ملک اور دنیا کی اکثریت اس طرح کی دیوانگی میں مبتلا نہیں ہے ۔

ندوستانی لمانوں سے اپیل ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ اتر پردیش کو اس میں پہل کرنی چاہئے[۵] کہ یہ ہمیشہ سے دینی تحریکات کا گہوارہ رہا ہے ۔ ہر دور کے جلیل القدر علماء مشائخ نے اس کی گود میں پرورش پائی ہے اور یہیں ہندوستان کے تین بڑے مشہور

---

۵ یوپی میں ہمارے علم کے مطابق دو جگہ صرف دارالقضاء قائم ہے ۔ ایک دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند دوسری خورجہ ضلع بلند شہر میں ۔ لیکن بغیر امیر کے کسی کو منتخب کئے ان کے قیام کی فقہی نوعیت کیا ہے میں اس سے بے خبر ہوں اس مضمون میں پیش کردہ فقہی جزئیات سے تو یہ ثابت ہے کہ پہلے کسی کو امیر بنایا جائے اور پھر وہ امیر قاضیوں کا تقرر کرے ۔

تعلیمی ادارے قائم ہیں۔[۱۳]

حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب امیر شریعت بہار واڑیسہ وآسام سے بطور خاص گذارش ہے کہ وہ اس بارے میں خصوصی توجہ فرمائیں کہ یوپی اور دوسرے صوبوں میں بھی امارت شرعیہ قائم ہو۔ کیونکہ ان کو اس اہم کام کا عملی تجربہ ہے امید ہے کہ باشندگان علاقہ ممنونیت کے ساتھ تعاون کرینگے۔ اس طرح پورے ملک میں اگر اسلامی طرز حیات کی منظم جد وجہد کی گئی تو انشاء اللہ اس میں ضرور کامیابی ہوگی۔ اور ہندوستان اپنی مسلم سوسائٹی میں امن وعافیت کی بہاریں دیکھے گا جن سے وہ ایک طویل عرصہ سے محروم ہے۔ اور باشندگان ملک بچشم خود دیکھ لینگے کہ انصاف کس چیز کا نام ہے اور وہ کس قدر ارزاں اور سہل الحصول ہے اسی طرح کاش ہماری یہ کمزور آواز مسلم حکومتوں کے ایوانوں تک بھی پہونچ جائے اور وہ ہماری اس پکار کو سن لیں کہ ذرا اسلامی نظام مملکت کو اپنا کر تو دیکھو کتنے جھمیلوں سے نجات ملیگی اور دنیوی منافع کی بہتات سے بھی لطف اندوز ہوگے اور فلاح اخروی اور رضائے خداوندی بھی نصیب ہوگی۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیوی طرز کی بادشاہت (خواہ جمہوری ہو یا شخصی) دنیا والوں کی نظر میں اس کی خواہ کچھ بھی وقعت ہو لیکن دینی سیادت وامارت کے مقابلہ میں اس کی جو حیثیت ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اہل مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حجاز کی بادشاہت پیش کرنی چاہی تو آپ نے قبول نہیں فرمائی اس لئے کہ وہ دنیوی بادشاہت تھی۔ لیکن پھر مدینہ منورہ پہونچکر وہاں کی حکومت سنبھالی، اس لئے کہ اس کی بنیاد "سیاست دینی" تھی۔ اس گذارش پر اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے بارگاہ ایزد میں دعاگو ہوں۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیئ قدیر۔ اللّٰھم انصر الاسلام والمسلمین بالامام العادل والخیر والطاعات واتباع السنن سید الموجودات (صلے اللہ علیہ وسلم) آمین یارب العلمین